

امامیہ مشن لکھنؤ کا ساتواں تبلیغی رسالہ

سلسلۂ اشاعت

حسین علیہ السلام اور حر

مطبوعہ سرفراز قومی پریس کمبوز اسٹریٹ لکھنؤ

قیمت ۱/۲ محرم ۱۳۵۲ھ محصول ڈاک ۱۰/

یا قومنا اجیبوا داعی اللہ

اے قوم جواب دے خدا کی طرف سے پکارنے والے کا

برادران ایمانی ـ سلام علیکم

امامیہ مشن کی دینی و تبلیغی خدمات آپ حضرات کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں اس سلسلہ میں جیسا کہ اس سے قبل بھی عرض کیا جا چکا ہے جب تک کہ ہر ہر فرد قوم تھوڑی قربانی نہ کرے اس کام کو تیزی کے ساتھ آگے نہیں بڑھایا جا سکتا چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ شیعیان امیر المومنین کثیر تعداد میں اس تبلیغی ادارے کے ممبر بن کر اس کی تقویت کریں چندہ سالانہ کم سے کم ایک روپیہ ہے اور جو مومنین اس سے زائد مرحمت فرماویں وہ ان کی توفیق پر منحصر ہے اور ممبران کیلیے یہ رعایت ہوگی کہ ممبر بننے کے بعد جو رسالے شائع ہونگے وہ ان کو نصف قیمت پر دیے جائینگے،

فارم ممبری ہم سے طلب فرمایئے اور خود بھی ممبر بنیے اور دیگر مومنین کو بھی ممبر بنا کر عند اللہ و عند الرسول ماجور ہوجیئے۔

خادم ملت

سید ابن حسین نقوی عفی عنہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن

حسین آباد۔ لکھنؤ

حسینؑ اور اسلام



(مصنفہ)

عالیجناب سید العلماء مولانا مولوی سید علی نقی صاحب قبلہ

مجتہد العصر مد ظلہ

امامیہ مشن کی ساتوین مذہبی خدمت

حضرات۔ امامیہ مشن کو قائم ہوے بہت کم عرصہ گذرا ہی جو چند مہینون سے زیادہ نہین لیکن اتنے ہی قلیل عرصہ مین اُسکے مذہبی خدمات اُس کا کافی تعارف کرا چکے ہین۔

اس مشن نے اس عرصہ مین چھہ مستقل رسالے شایع کرنیکے علاوہ ایک ایک رسالہ کے دو دو اور تین تین اڈیشن بھی شایع کیئے جو اسکے خدمات قومی کی مقبولیت کا نتیجہ ہین۔

امامیہ مشن کی یہ ساتوین خدمت ہے جو حسین ؑ کے نام کو اپنا سر نامہ بنائے ہوئے آپکے سامنے آرہی ہی خدا سے دعا ہی کہ وہ اسکو بھی قبول فرمائے اور جس مقصد کیلئے اسکی اشاعت کیجارہی ہی وہ پایۂ تکمیل کو پہونچے والسلام

خادم ملت۔ سید ابن حسین عفی عنہ
آنریری سکریٹری امامیہ مشن۔ لکھنو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید

المرسلین والہ الطاہرین

حسینؑ اور اسلام

حسینؑ تاریخی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہیں، اُنکی شخصیت اور
عظیم کارنامے کروروں افراد کے سر عقیدت کو خم کئے ہوئے ہیں؛ تم نے
ممکن ہی کہ اُنکے عظیم کارنامۂ زندگی کے مطالعہ اور اُنکے حیرت انگیز ثبات
قدم اور استقلال و تدبر سے بھرے ہوئے بے مثال اقدام اور قربانی کے
حالات پر اطلاع حاصل کرنیکا موقع نہ پایا ہو لیکن کم سے کم تم نے حسینؑ کا نام
ضرور سنا ہوگا اور اتنا جانتے ہوگے کہ وہ کسی بڑے تاریخی واقعہ کے ہیرو ہیں
ممکن ہی یہ خیال بھی تمہارے دل میں کبھی آتا ہو کہ یہ حسین کون تھے اور

آخر اُس انقعہ کی خصوصیات کیا ہیں جو اس بڑے انسان کی ذات سے تعلق

رکھتا ہے۔ اچھا تو پھر آؤ اور صبر و سکون کے چند لمحے مجھکو عاریت دو۔

میں تم کو حسینؑ اور انکے مشن ہی جس کے سلسلہ میں اُنھوں نے

بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے میں دریغ نہیں کیا مختصر لفظوں

میں شناسا کراؤں جس سے تم کو حسینؑ اور اُن کے اقدامات کے متعلق

صحیح رائے قائم کرنیکا موقع مل سکے۔

حسینؑ کون تھے؟

حسینؑ کیسا اسلام کا روحانی تعلق

چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ دنیا تاریکی کے عظیم دور سے گذر رہی

تھی اور انسانی تمدن کی کشتی تفرقہ اور فساد کے طوفان سے ڈانوا ڈول

تھی جزیرہ نمائے عرب سے اسلام کا آفتاب طلوع ہوا جسکی ابتدائی کرنیں

اگرچہ حجاز کے مرکزی مقام مکہ معظمہ سے ظاہر ہوئی تھیں لیکن رفتہ رفتہ

اسکی روشنی مشرق و مغرب عالم پر چھا گئی اور دنیا کو روشن کردیا۔

یہ ہر دلعزیز اور عالمگیر مذہب جس کا نام ہی اسلام ہے اپنے ابتدائی دور مین ترقی و اشاعت کی حیثیت سے دو عظیم شخصیتون کی جانفشانی اور انتھک کوششون کا نتیجہ تھا! ایک پیغمبر اسلام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم دوسرے انکے چچا زاد بھائی علی ابن ابیطالب،

اگرچہ دوسرے بہت سے صحابۂ کرام نے جو خدمات انجام دی ہین اور جان نثاری و فداکاری کے فرض کو انجام دیا ہے ان کو نظر انداز نہین کیا جاسکتا اور وہ تاریخ مین سنہری حرفون سے لکھے جانیکے قابل ہین لیکن ان کو اسلام کے سنگ بنیاد نصب ہونے اور اسکے بعد والے ابتدائی مراحل سے کوئی تعلق نہین ہے اور نہ اسکے بعد انھین اساسی حیثیت دیجاسکتی ہے بلکہ وہ ضمنی حیثیت رکھتے ہین۔ لیکن حقیقۃً انہی دو بزرگون کے ثبات قدم اور حیرت ناک استقلال اور اپنے خون کو پسینہ سمجھ لینے کا اثر تھا کہ اسلام کی بنیادین قائم ہوئین اور حیرت ناک تیزی کیساتھ

اسکی اشاعت ہوئی۔

قدرت کو ان دونوں بھائیوں کے اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا تھا حضرت رسول اکرم صلعم کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کیساتھ حضرت علی بن ابیطالب ؑ کا عقد ہوا اور اس طرح علیؑ کو بھائی ہونیکے علاوہ ایک قسم کی فرزندی بھی رسول صلعم سے حاصل ہوگئی اور یہ دونو سلسلے کہ جو اشاعت اسلام میں متحد تھے اور زیادہ استحکام کیساتھ ایک نقطہ پر جمع ہوگئے۔

انہی ماں باپ حضرت فاطمہ اور علی بن ابیطالب سے دو بچے متولد ہوئے جن کا نام تھا حسنؑ اور حسینؑ اور عین اسوقت کہ جب اسلام ایک نوعمر بچہ کی حیثیت سے رسول اسلام کی آغوش میں پرورش پا رہا تھا ان دونوں بچوں کی ولادت ہوئی جن کی پرورش بھی رسول صلعم کی آغوش میں شروع ہوئی اور اس طرح ان دونوں کا اور اسلام کا گہوارۂ تربیت ایک قرار پایا۔ ایک طرف نانا کہ جو بانی اسلام تھے اور دوسری طرف باپ جو مجاہد و

محامیِ اسلام تھے اُن کے خدمات اور کارگزاریاں سامنے تھیں اور اس ماحول کے باعث اسلام کیساتھ روحانی تعلق اور دلی ارتباط ان دونوں بچوں میں بچپنے ہی سے راسخ ہو گیا اور جتنی عمر بڑھتی گئی اُلفت اسلام کا جذبہ مستحکم سے مستحکم تر ہوتا گیا۔

مذہبی عقائد سے جن کی بنا پر یہ دونوں بزرگ (حسن و حسین) امام خلق اور حقیقی ذمہ دار اسلام قرار پاتے ہیں بالکل الگ ہو کر تاریخی اعتبار سے بھی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی زندگی پابندیِ شریعت اور حفظانِ اصول مذہب کی حیثیت سے اسلامی تعلیمات کا مکمل آئینہ اور احکام شریعت کا مجسم نمونہ تھی اور اسلئے بھی اسلام اور شریعت اسلام کے ساتھ جتنی گہری ہمدردی ان کو ہو سکتی تھی کسی کو نہیں۔



بنی امیہ کا دور حکومت

یا

تاریخ کا ایک سیاہ ورق

پیغمبر اسلام کی وفات اسلام کیلئے ایک سخت ترین مصیبت تھی جسکے بعد ہی سے اسکی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے شروع شروع ہین کچھ عرصہ تک اسکی سادگی اور حقیقت پروری، ظاہری جاہ و عزت سے بے تعلقی اور مادی ساز و سامان سے کنارہ کشی ایک حد تک محفوظ تھی لیکن ادھر فتوحات نے ترقی کی قیصر و کسریٰ کے ممالک پر مسلمانون کا قبضہ ہوا، شاہانہ تزک و احتشام اور سلطنتی جاہ و جلال سے آنکھین دوچار ہوئین ادھر اسلامی افراد مین بھی کشور آرائی اور جہانبانی کے جذبات نے پرورش پائی اور مذہبی پابندیون کے بجائے سیاسی منصوبہ بازیون اور کمزورون کے مقابلہ مین جابرانہ طاقتون کے مظاہرہ کا دور دورہ ہوگیا۔

رسولؐ اور انکے خاندان (بنی ہاشم) کے قدیمی حریف بنی اُمیہ کہ

جو برابر رسولؐ کے لئے شاعت اسلام کے خلاف اپنی طاقت کے آخری نفس تک

جنگ کرتے رہے اور سب سے آخر میں آمد کے تمام رشتے منقطع ہو جانیکے بعد

با دل ناخواستہ اسلام لائے تھے اُنھیں ان انقلابات میں اپنے منصوبوں کے

پورا کرنے کا اچھا موقع ملا۔

حضرت خلیفہ ثانی (عمر بن الخطاب) ہی کے دور میں شام پر ان کا تسلط

ہو گیا تھا جو صرف گورنری کی حیثیت سے تھا لیکن قدم جمانے کیلئے

بہت کافی تھا۔

تیسرے دور میں خوش قسمتی سے مرکزی حکومت یعنی خلافت کا سہرا

بھی بنی اُمیہ کے سر پر بندھا اور اس گروہ کو اسلام کے تھا اپنے دیرینہ

منصوبوں کے پورا کرنیکا پورا موقع مل گیا۔

حضرت خلیفہ ثالث کے ساتھ حسن ظن کو راہ دیتے ہوئے کہا جا سکتا ہے

کہ صاف و سادہ لوح خلیفہ وقت کو اپنے ان خاندانی افراد کے اغراض و

مقاصد اور انکے اطوار و حالات کی اطلاع نہ تھی لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اس عہد میں صحابہ رسول اور سچے اسلامی فرزندون کیساتھ انتہائی شرمناک برتاؤ اختیار کئے گئے اور انہون کی جانبداری اور انکے بدترین مظالم کی حمایت انتہا تک پہونچ گئی جسکے بعد پانی سر سے اونچا ہوگیا اور مظالم کو برداشت کرتے کرتے صبر کے پیمانے لبریز ہوگئے جس کا افسوسناک نتیجہ قتل خلیفہ کی صورت مین ظاہر ہوا -

تاریخ کے مطالعہ سے اس قتل کی بہت کچھ ذمہ داری بنی امیہ کے سر دکھائی دیتی ہے -

اسکے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور خلافت کیلئے بڑے بڑے صحابہ کرام اور اہل حل و عقد کے اتفاق آراء سے حضرت علیؓ کا انتخاب ہوا اور سب نے باتفاق آپکی بیعت کی لیکن گورنر شام معاویہ بن ابی سفیان جو وہان پورے طور پر قبضہ جما چکے تھے وہ اسلامی متفقہ فیصلہ کے سامنے سرنگون ہونا تھے نہوے اور خون حضرت عثمان کی طلب کے

بہانے سے علی بن ابیطالبؑ سے برسرِ پیکار ہوئے چنانچہ جنگِ صفین کے سیکڑوں معرکے جن میں ہزاروں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہ گیا اسی کا کرشمہ تھے۔

آخر اس جنگ کا فیصلہ ایک مکارانہ مصالحت کیساتھ ہوا جس میں اگر دیانت و امانت کا جوہر کارفرما ہوتا تو یقیناً مسلمانوں کے درمیان سے ناگوار اختلاف کا خاتمہ ہو سکتا تھا لیکن افسوس کہ حرص و آز کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے اس ظاہری مصالحت کو فتنہ و فساد کا پیش خیمہ قرار دیدیا اور اختلاف و افتراق کی خلیج پہلے سے زیادہ وسیع ہو گئی۔

یہ وہ وقت تھا کہ شام کے تخت پر بنی امیہ کے قدم پوری طاقت کیساتھ جم گئے تھے اُدھر امیر المومنین علیؑ کو مسجد کوفہ میں شہید کیا گیا ادھر شام میں مخالفتِ اہلبیت کا طوفان پوری قوت پر بلند ہو گیا اور دمشق بلکہ تمام بلادِ اسلامیہ کے منبروں پر کمال جراءت کیساتھ اہلبیتِ رسولؐ پر لعن و طعن کا بازار گرم ہو گیا۔

اس زمانہ کی بعض اہم خصوصیات

امیر معاویہ اگرچہ صحابہ رسولؐ کی ایک ممتاز فرد سمجھے جاتے ہیں لیکن اُن کے دورِ حکومت کے یہ افسوسناک خصوصیات ہیں جو اسلامی تاریخ میں جلی حرفوں سے مرقوم نظر آتے ہیں اور اُن سے اُس زمانہ میں اسلام کی ضعف و بے بسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱) وضع احادیث اور خدا اور رسولؐ پر افترا اور بہتان کوئی جرم نہ رہا بلکہ اس پر مخصوص مصالح کے تحت میں جائزہ و انعام دیا جاتا تھا چنانچہ ابوالحسن علی بن محمد مدائنی جو اسلامی مورخین میں بڑے پایہ کا شخص ہے اُس نے کتاب الاحداث میں اُس زمانہ کے حالات درج کرتے ہوئے لکھا ہے۔

کتب معاویۃ الی عمّالہ فی جمیع الآفاق ان لا یجیزوا لاحد من شیعۃ علی شہادۃ وکتب الیھم ان انظروا من قبلکم من شیعۃ عثمان ومحبیہ واھل ولایتہ الذین یروون فضائلہ ومناقبہ فادنوا مجالسھم وقربوھم واکرموھم واکتبوا الیّ بکل ما یروی کل رجل منھم واسمہ واسم ابیہ وعشیرتہ ففعلوا ذلک حتی اکثروا فی فضائل عثمان ومناقبہ

لما كان يبعثه اليهم معاوية من الصلات و الكساء و الحباء و القطائع

و يفيضه في العرب منهم و الموالي فكثر ذلك في كل مصر و تنافسوا في

المنازل و الدنيا فليس يجيء أحد من الناس عاملا من عمال

معاوية فيروي في عثمان فضيلة او منقبة الا كتب اسمه و قربه

و شفعه فلبثوا بذلك حينا۔

"معاویہ نے تمام عمال کو لکھا کہ جو شخص حضرت عثمان کی فضیلت میں

کسی حدیث کو بیان کرے اُس کا پورا نام مع پتہ کے میرے پاس لکھکر بھیجدو

اور پوری طرح جائزہ و انعام سے اُس کو مالا مال کردو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

فضیلت عثمان میں احادیث کثرت سے ہو گئی اور ایک مدت تک یہ سلسلہ قائم رہا۔"

ثم كتب الى عماله ان الحديث في عثمان قد كثر و فشا في كل مصر و كل

وجه و ناحية فاذا جاءكم كتابي هذا فادعوا الناس الى الرواية في

فضائل الصحابة و الخلفاء الاولين و لا تتركوا خبرا يرويه احد من

المسلمين في ابي تراب الا و ائتوني بمناقض له في الصحابة فان هذا

احب الی واقر لعینی وادحض لحجة ابی تراب وشیعته واشد علیهم من مناقب عثمان وفضله فقرأت کتبه علی الناس فرویت احادیث کثیرة فی مناقب الصحابة مفتعلة لا حقیقة لها وجد الناس فی روایة ما یجری هذا المجری حتی اشادوا بذکر ذلک علی المنابر والقی الی معلمی الکتاب فعلموا صبیانهم وغلمانهم من ذلک الکثیر الواسع حتی رووه وتعلموه کما یتعلمون القرآن وحتی علموه بناتهم ونساءهم وخدمهم وحشمهم فلبثوا بذلک ما شاء الله -

"پھر تمام گورنرون کو لکھا گیا کہ عثمان کی فضیلت مین احادیث کا بہت کافی ذخیرہ جمع ہو گیا ہے اب تم دیگر صحابہ کے فضائل مین روایت احادیث کی طرف لوگون کو دعوت دو اور جو کوئی فضیلت بھی ابوتراب کی نسبت احادیث مین وارد ہوئی ہے اسکے مقابل دوسرے صحابہ کیلئے بھی بیان کرو۔ علی اور انکے شیعون کی دلیل کے باطل کرنیکا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے، بس پھر کیا تھا، فرمان لوگون کے سامنے پڑھا گیا اور سیکڑون

حدیثین صحابۂ کبار کے مناقب مین تصنیف ہو گئین جن کی کچھ اصلیت نہ تھی واعظین ان کو منبرون پر پڑھتے اور معلمین مکتب بچون کو قرآن کیطرح حفظ کراتے تھے بلکہ لڑکیون عورتون اور غلامون کنیزون تک کو یاد کرانا ضروری سمجھتے تھے۔"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سچے اسلامی روایات بھی ان بے حقیقت اخبار کے ساتھ مخلوط ہو کر بے اعتبار بن گئے اور علمی تحقیق و تدقیق مین ایک بہت بڑا رخنہ پڑ گیا۔

(۲) سب وشتم اور اکابر اہل اسلام کو گالیان دینے کا دستور نکل آیا۔ دمشق و شام کے منبرون پر چالیس برس تک یہ رسم ادا ہوتی رہی اور علی ابن ابیطالبؑ کی نسبت اس جسارت کا سلسلہ قائم رہا۔

(۳) بلاد اسلامیہ مین شراب بہت آزادی کیساتھ استعمال کیجانے لگی اور اسکی خرید و فروخت مین کوئی روک ٹوک باقی نہین رہی چنانچہ عبدالرحمٰن بن سہل انصاری (صحابی رسولؐ) نے شراب کے بارے لڑتے ہوئے

اونٹون کو دیکھا تو اپنے نیزہ کی نوک سے ان مشکون کو پھاڑ ڈالا حضرت معاویہ کو خبر معلوم ہوئی تو کہا اُس بڈھے کو چھوڑ دو اُسکی عقل جاتی رہی ہے عبدالرحمن نے سنا تو کہا خدا کی قسم میری عقل نہین گئی ہے مگر رسالتمآب نے ممانعت فرمائی ہے اس سے کہ شراب ہمارے شکم مین داخل ہو یا برتنون مین رکھی جائے (دیکھو کتاب اسد الغابہ ابن اثیر جزری ج ۳ ص ۲۹۹ واصابہ حافظ ابن حجر عسقلانی ج ۲ ص ۴۰۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین شراب کی درآمد مسلمانون مین بہت خوبی سے ہو گئی تھی اور اگر کوئی سچا مسلمان تعرض کرتا تھا تو اُسے دیوانہ اور بے عقل کا خطاب دیا جاتا تھا۔

(۴) بیگناہ مسلمانون کا خون بہت بے دردی سے بہایا جانے لگا بیکثرت دین کلمہ گویون کی گردنین زیر تیغ ہو گئین سمرۃ بن جندب اور بسر بن ارطاۃ اور زیاد بن ابیہ کی سیاہ کاریان اسی عہد کا نامۂ عمل ہین عبداللہ بن عباس کے دو کمسن بچے مان کی گود مین ذبح کر دیے گئے جس سے وہ مجنون

ہو گئیں (ملاحظہ ہو استیعاب، ابن عبدالبر مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد

جلد اول ص۶۶)

(۵) مذہب کا وقار بالکل کم ہو رہا تھا اور بڑے سے بڑے ارکان مذہبی کو مسخرہ

پن میں اڑایا جاتا تھا۔

امیر معاویہ نے بڑے فخر سے جاریہ بن قدامہ اور احنف دو شخصوں کی

نسبت فرمایا کہ "انی قد رایت منہما" دیکھا میں نے ان سے ان کا مذہب میں ل

لے لیا ہے" استیعاب ج ۱ ص۱۵۴)

مصر کے لوگوں نے دربار میں آکر السلام علیک یا رسول اللہ کہا

اور اس کو گوارا کر لیا گیا، سزا دینا تو بڑی بات تھی معمولی سی زبانی تنبیہ بھی

نہ کی گئی (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۶ ص۱۸۴)

ان دونوں واقعوں کو ہم نے اپنے رسالہ "قاتلان حسین کا مذہب" میں

تفصیل سے لکھا ہے اور ان سے اس وقت کے اسلامی حساسات و جذبات کی

کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔

امیر معاویہ کا زمانہ کسی کسی طرح بسر ہو گیا اور انھوں نے اپنی عمر گذار دی
مگر مسلمانوں کے سر ظلم و ستم کے ایسے دیوتا کو سوار کر گئے جس نے اسلام کے شیرازہ
کو بالکل درہم و برہم کر دیا۔ یزید کے اخلاق و عادات سے امیر معاویہ بیخبر تھے؟
نہیں ہرگز نہیں وہ خود یزید کے خصوصیات سے واقف تھے اور اُس کا اظہار
بھی کیا ہے چنانچہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب "تطہیر اللسان والجنان"
میں جو حضرت معاویہ کے مناقب و فضائل میں تصنیف کی ہے لکھتے ہیں:
کہ ایک روز امیر معاویہ رونے لگے، مروان نے کہا کہ کیوں کیا ہوا؟
آپکے رونیکا سبب؟ جواب دیا کہ

ای شیئ کنت عند عزو باکیت سنی ورق عظمی کثرت الدموع
فی عینی و رصیت فی احسن مایبد ومنی ولولاھوای فی یزید
البصرت قصدی۔

"دنیا میں کونسی راحت تھی جو میں نے نہ اٹھائی ہو، اب سن زیادہ
ہو گیا، ہڈیاں گھل گئیں جسم کمزور ہو گیا لیکن اگر مجھ پر یزید کی محبت کا غلبہ

نہوتا تو میں اپنے لئے راہ راست کو حاصل کر لیتا" (حاشیہ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صد ۵۹)

دوسرے مقام پر علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔

قولہ ولولا ھوای الخ فیہ غایۃ التسجیل علی نفسہ بان مزید

محبتہ لیزید اعمت علیہ طریق الھدیٰ واوقعت الناس بعدہ

مع ذلک الفاسق المارق فی الردیٰ۔

" ان الفاظ میں معاویہ نے پورے طور پر اقرار کر لیا ہے کہ یزید کی محبت نے ان کو

ہدایت کے راستوں سے اندھا بنا دیا ہے اور اسی فرط محبت نے مسلمانوں کو ان کے بعد

ایسے فاسق و فاجر کے ہاتھوں میں مبتلا کر دیا جو انکی ہلاکت کا باعث ہوا"

(حاشیہ صواعق محرقہ صد ۵۸)

اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ امیر معاویہ یزید کے افعال عادات سے

بے خبر تھے اور اُس کی ولی عہدی نیک نیتی پر مبنی تھی، یزید کی بیعت

مسلمانوں سے بزور دستی لی گئی اور زر و جواہر کے خزانے اس کیلئے وقف

کر دیے گئے۔ یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا اور اُس کے فسق و فجور نے دنیا کو

پر کردیا ہر طرف معصیت خدا اور مخالفت شریعت کا بازار گرم ہوا، مذہب بازیچۂ اطفال اور اسلام زینت طاق نسیان بن گیا، یزید کے افعال و عادات کے تفصیلی تذکرہ سے ان صفحات کو پر نہیں کیا جا سکتا اسلام کی مستند تاریخیں ان واقعات کو اپنے اندر محفوظ کئے ہوئے ہیں ۔ واقدی نے مختصر الفاظ میں جس طرح یزید کی بدکرداری کی تصویر کھینچی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

کان رجلا ینکح امہات الاولاد و البنات و الاخوات و یشرب الخمر و یدع الصلوٰۃ ۔

"وہ ایسا شخص تھا کہ اپنے باپ کی منکوحہ کنیزوں اور اپنی بہنوں بیٹیوں تک کو نہ چھوڑتا تھا شراب پیتا تھا اور نماز کو ترک کرتا تھا"

(ملاحظہ ہو صواعق محرقہ، علامہ ابن حجر مکی ص ۱۳۵)

اب بتاؤ کہ کیا اسلامی بادشاہ یا خلیفۃ المسلمین اور مجوسیوں میں کچھ بھی فرق ہوا؟ حد سے زیادہ فاسق اشخاص بھی اپنی ماں بہنوں بیٹیوں سے مقاربت کرنا حمیت و غیرت بلکہ انسانیت کے خلاف سمجھتے ہیں ۔

بادشاہ وقت کے ان عادات و اخلاق کو دیکھکر دنیا نے رنگ پکڑ لیا تھا اور مذہبیت بالکل فنا ہو گئی تھی لطف یہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ سر تسلیم خم کئے ہوئے تھے اور کسی کے دہن سے صدائے اعتراض بھی بلند نہوتی تھی۔ سوائے پانچ شخصوں کے تمام صحابہ و تابعین یزید کو خلیفہ رسول تسلیم کر چکے تھے ان پانچ میں سب سے پہلا نام حسین ابن علیؑ کا ہے اور باقی دیکھا دیکھی عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس یزید کی طرف سے کوشش شروع ہوئی کہ ان کو بھی پابند بنایا جائے اور سب سے زیادہ امام حسین علیہ السلام کے حلقۂ بیعت میں داخل ہونے کیلئے اہتمام کیا گیا۔

گذشتہ تاریخ اور اسلام کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے ظاہر ہے کہ علی بن ابیطالبؑ کا فرزند اور خاندان رسولؐ کا سب سے بزرگ اگر ان حالات کی موجودگی میں یزید کی بیعت کر لیتا تو اسلام کا نام بھی باقی نہ رہ سکتا۔

حسن مجتبیٰ کی صلح مجاہدۂ کربلا کی تمہید تھی

ہر اقدام جو اپنے وقت پر ہو وہ مفید نتیجہ خیز اور مؤثر ہوتا ہے لیکن اگر وقت سے پہلے کیا جائے تو وہ نتیجۃً مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوتا ہے بلکہ اپنے کرنے والے کو اکثر ہمیشہ کیلئے مورد الزام بنا دیتا ہے۔

واقعات کی رفتار یکساں نہیں رہتی بلکہ تدریجی حیثیت سے ترقی کرتی ہے اور ان کا طریقۂ علاج بھی اسی اعتبار سے مختلف ہو جاتا ہے۔ عالم کا نظام اسی پر قرار پایا ہے اور انسان کی افتاد طبع یوں ہی واقع ہوئی ہے کہ اس میں تغیر و تبدل کا امکان نہیں۔

زخم رسیدہ یکے ہوئے جزو بدن ہاتھ یا پیر کا علاج کرو، پھاہے لگاؤ مرہم بدلو ضرورت ہو تو بار بار نشتر دلواؤ پھر اگر نہ اچھا ہو اور اسکی سمیت کے جسم میں سرایت کرنیکا خوف ہو تو اُسے کاٹ کر پھینک دو کسی کو اعتراض کا حق نہ ہوگا لیکن اگر زخم پیدا ہونیکے تھا ہی یا کوئی علاج معالجہ کرنیکی

پہلے ہی کاٹ ڈالتے تو ضرور موردِ الزام اور عام طور پر بے عقل سمجھے جاتے حالانکہ
یہ طرزِ عمل وہی تھا جو بعد میں اختیار کئے جانے پر ممدوح و مستحسن سمجھا جاتا
تھا دشوار گذار حالات کی اصلاح کے لئے قربانی اور وہ بھی جان کی
قربانی کامیاب اور موثر ترین حربہ ہے لیکن سب سے آخری اور جب تمام
وسائل و ذرائع ختم ہو جائیں اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہو اُس وقت اُس کا درجہ
ہے وہ جہاں تک آخری رہے وہیں تک ممدوح ہے اور اگر اس سے پہلے عمل
میں آگئی تو اُس پر جلد بازی غیر موقع شناسی اور نا عاقبت اندیشی وغیرہ
کا الزام آجانا ضروری ہے جس کے بعد اُس کو حق بجانب نہیں سمجھا جا سکتا
اور اسی کے ساتھ اُس کی کامیابی اور تاثیر رخصت۔

حالات کی اصلاح کے لئے احتجاج و استغاثہ مصالحت و رواداری
شرط شروط اور قرارداد و معاہدہ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کا اختیار
کیا جانا ابتدائی حدود میں ضروری ہے۔

بیشک جب یہ سب وسائل و ذرائع اختیار کئے جانے کے بعد ناکام

ثابت ہوں تو پھر من جرب المجرب حلت بہ الندامۃ " آزمودہ را آزمودن جہل ست " کے مطابق انسان سے ان ذرائع کا مطالبہ نہ ہو سکیگا اور اس کی رفتار عمل کو آگے بڑھکر کسی دوسرے اقدام تک تو بختی کا حق پیدا ہوگا یہی تدریجی رفتار اقدام عمل ہیں جبتک قائم ہے کامیابی کی توقع ہے ورنہ نہیں ایک بات ہو جانے پر پہلے ہی دن مرنے مارنے پر آمادہ ہو جانے والا مغلوب الغضب کہا جائیگا۔ وہ کسی تعریف کا مستحق نہیں برخلاف اسکے اگر تمام دیگر ذرائع واسباب کے ذریعے سے اتمام حجت کے بعد انسان کسی اہم مقصد کیلئے جان دینے پر طیار ہو جائے تو فداکاری وجان نثاری اور موثر قربانی قرار پائے گی۔

ایک انسان اگر اپنے افعال واعمال میں توازن کو ملحوظ رکھتا اور اپنی کارگذاریوں میں صرف جذبات کا فرمانبردار نہیں بلکہ عقلی غور وتدبر کا پابند ہے تو اسے اس نظام کا پابند ہونا ضروری ہے۔

شام کی اموی سلطنت کے ہاتھوں بیشک مذہب خطرہ میں تھا

اور حق وصداقت پامال ہو رہی تھی جس کی اصلاح کیلئے قربانی درکار تھی لیکن اس قربانی کے حق بجانب قرار پانیکیلئے دوسرے پیرامن اور صلح پرور وسائل و ذرائع کے صرف کئے جانے کی ضرورت تھی۔

بیشک اگر امام حسینؑ ایکا ایکا بغیر کسی قسم کے سابقہ حالات کے یزید کی ہونے سے کنارہ کشی کر کے باوجود فقدان اعوان و انصار مخالفت پر جس کا لازمی نتیجہ آپکا قتل ہونا تھا طیار ہو جاتے اور ایسا کرتے تو ان سوالوں کا پیدا ہونا ناگزیر تھا کہ آخر امامؑ نے انتحاد عمل کیلئے حالات کے درستی کی کوشش کیوں نہ کی؟ مخصوص شرائط کیساتھ صلح کر کے اپنے مقاصد کو کیوں نہ حاصل کیا؟ کم سے کم امور سلطنت سے بے تعلقی اختیار کر کے مدینۂ رسول میں قیام پذیر کیوں نہ رہے اور کربلا آکر اپنے تئیں معرض خطر میں کس لئے ڈالا؟

یہ سوالات پیدا ہونے کے بعد جن کا کوئی صحیح حل بھی موجود نہ تھا یقیناً آپ کا قتل ہونا صرف جذبات کی کارفرمائی کا نتیجہ قرار پاتا

اور اس لئے نہ قابل ستائش ہوتا اور نہ موثر و کامیاب لیکن واقعہ یہ تھا

کہ امام حسینؑ کا اقدام عمل یا قربانی وہ ایک مکمل نظام کے تحت میں واقع

ہوا تھا جس کیلئے برسوں کی طویل مدت کے حالات موقع کو قریب لا رہے

تھے یہانتک کہ ۶۱ھ میں اُس کا وقت آگیا۔

شروع شروع میں امام حسنؑ کا صلح کر لینا اور مخصوص شرائط معاہدہ کے

ساتھ سلطنت کی ذمہ داریوں سے دستکش ہو کر دس برس خاموشی کی

زندگی بسر کرنا اور پھر دس ہی برس تک خود امام حسینؑ کا بھی عملی حیثیت سے

خاموش رہ کر حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے اکثر زبانی یا مکتوبی احتجاج

کرتے رہنا لیکن باوجود اسکے حالات کا روبہ صلاح ہونے کے بجائے بد سے

بدتر ہوتے جانا شرائط معاہدہ کا ٹھکرا دیا جانا صلحنامہ کے دفعات کا

پامال ہو جانا زبانی احتجاج و استغاثہ پر کوئی شنوائی نہ ہونا بلکہ اپنے

انسانیت سوز اور اسلام کش افعال پر بیش از بیش اصرار کیا جانا اور اس

سلسلہ میں پانی کا سر سے اونچا ہو جانا اور معاملات کا حد سے گذر جانا وہ تھا

جس نے امام حسینؑ کیلئے اس عظیم اقدام کا موقع پیدا کر دیا تھا کہ جو انھوں نے کربلا کی سرزمین پر انجام دیا۔

اب اعتراض تاریخی حالات سے بیخبری کا نتیجہ ہوگا کہ حسینؑ نے خود اپنی جان کو معرض خطر میں ڈالا۔ اگر وہ مدینہ میں قیام کرتے اور یزید سے برسر پرخاش نہوتے تو آپ کا خون کربلا کی زمین پر نہ بہتا۔

یہ خیال بالکل بے حقیقت ہے۔ بنی اُمیہ کی عداوت بنی ہاشم اور خصوصاً علی بن ابیطالبؑ کی اولاد سے اس حد تک پہونچ چکی تھی کہ وہ کسی طرح اُن کو چین سے بیٹھنے نہیں دیسکتے تھے اور اُنکی خاموش ہستی بھی اُنکی آنکھوں میں خار ہنکر کھٹکتی تھی حسن مجتبیٰؑ نے باوجود صلح جوئی اور خاموشی و کنارہ کشی کیا پھل پایا؟ یہ کہ زہر قاتل کے اثر سے کلیجہ کے ٹکڑے ہوئے اور دشمنوں کی ظلم و بیداد کا خاموش افسانہ سناتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی اپنی کتاب محرم نامہ صـ ۴۷ اور دوسری کتاب یزید نامہ صـ ۸۳ میں لکھتے ہیں۔

"پہلا خون سیدنا حضرت امام حسن کا ہے جو تاریخ کی روایت سے قطعاً امیر معاویہ کے اوپر ثابت ہے اور کوئی قدیم و جدید محاکمہ تاریخی و قانونی اُنکی برئیت اس قتل سے نہیں کر سکتا۔"

کون کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت امام حسینؑ عراق میں نہ آتے اور مدینہ میں قیام فرماتے تو اُن کے قتل کیلئے کوئی ایسا ہی خاموش حربہ استعمال کر دیا جاتا جس طرح حضرت امام حسنؑ پر استعمال کیا گیا۔
اسوقت آپکی جان بھی جاتی اور افراد بشر کے سامنے حقیقت کے واضح ہونیکا بھی کوئی طریقہ نہ ہوتا بلکہ جس طرح اس سے پہلے امام حسنؑ کی شہادت سے انکار کیا جاتا رہا اُسی طرح حضرت کی شہادت سے بھی برائت کرنا ضروری خیال کیا جاتا اور یہ یقیناً یزید کی فتح اور حسینؑ کی شکست قرار پاتی تھی کیونکہ اس حالت میں اول الذکر نے اپنے مقصد کو حاصل کیا حسینؑ کے وجود کو دنیا سے محو کر دیا اور پھر عالم کے سامنے اپنے تئیں بری بھی ثابت کر دیا اور حسینؑ نے اپنی جان سے ہاتھ دھویا اور کوئی نتیجہ خیز اثر بھی دنیا میں نہ چھوڑا،

بھلا حسینؑ سے مجبر العقول تدبر و استقلال کی مالک ہستی سے کب توقع کیجا سکتی ہے کہ وہ اس پہلو پر متوجہ نہو حسینؑ نے اپنے معاملہ کو دو مختلف صورتوں میں منحصر پایا، ایک یہ کہ خاموش طریقہ پر اپنی جان سے ہاتھ دہوئیں اور دین اسلام و شریعت نبویہ بھی یزید کے افعال و اقوال سے محو ہو کر رہے، دوسرے یہ کہ اپنی ہستی کو ظاہری صورت میں دست فنا کے سپرد کر کے ہمیشہ کیواسطے اپنی اور اپنے نانا کی تحریک کو زندہ کر کے اسلام کا ایک پائیدار نقش چھوڑ دیں، فرزند رسولؐ نے اپنے عظیم تدبر و عاقبت اندیشی سے کام لیکر دوسری صورت کو ترجیح دی اور اسلام کو زندہ کرنیکے ساتھ اپنی موت کو اپنے اور اسلام دونوں کی فنا کے مقابلہ میں اختیار کیا،

حسینؑ نے اپنی جان دیکر اپنے مخالفین کے مقاصد کو ہمیشہ کیلئے پامال کر دیا اور یہی وہ عظیم فتح ہے جس کو حضرتؑ نے ظاہری صورت میں فنا ہو کر حاصل کیا۔

حسینؑ کا اقدام عمل خالص تبلیغی شان رکھتا تھا

(اور)

تدبر و سیاست کا بہترین نمونہ تھا

امام حسینؑ درحقیقت مدینہ سے اسبات کا بیڑا اٹھا کر نکلے تھے کہ دنیا کے سامنے حق کو حق اور باطل کو باطل ظاہر کردیں چنانچہ انھوں نے اپنے مقصد کی اشاعت اور یزید کے ننگ انسانیت افعال کو طشت از بام کرنے میں وہ تمام وسائل ذرائع اختیار کئے جو ان کے عظیم تدبر و سیاست کا پتہ دیتے ہیں ۔

سب سے پہلے یہ دیکھو کہ حسینؑ نے مدینہ رسولؐ کو چھوڑنیکے بعد مکہ معظمہ کو اپنے قیام کے لئے منتخب کیا ۔ مکہ معظمہ کا قیام سطحی نظر دنیا میں تو اس غرض کیلئے تھا کہ اس مقام مقدس میں خونریزی حرام ہے لہذا انکی زندگی دشمنوں کے خطرہ سے محفوظ رہیگی لیکن یہ نقطۂ نظر ایسے شخص کیلئے تسلیم کیا جاسکتا ہے جس کو آخر تک اپنی جان بچانا منظور ہو مگر حسینؑ کہ جو مرنے پر کمر باندھ

چکے تھے اور پورے طور سے آخر تک ہونیوالے واقعات پیش نظر رکھتے تھے جس کو برابر الفاظ مین بتلاتے بھی رہتے تھے انکی نسبت اس خیال کو کوئی وقعت نہین دیجا سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ مکہ معظمہ قلب جزیرۃ العرب اور عالم اسلام کا مرکز تھا، اطراف وجوانب کے قافلے برابر آتے جاتے رہتے تھے اور علاوہ فریضہ حج کے جو اسلامی شریعت کی رو سے ہر مستطیع مسلمان پر واجب ہے اور جس کی بدولت اشہر حج مین چارون طرف سے مختلف قبائل عرب کا آنا ضروری ہی خود عرب کے قدیم روایات اور سابقہ عملدرآمد کی وجہ سے جو صدیون سے قائم تھا اور اسلام نے بھی جس کو باطل کرنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی عرب کے اس خطہ کو تمام مختلف الخیال قبائل عرب کا محل اجتماع ہونا لازمی تھا وہ مشہور کانفرنسین جو شعروسخن اور خرید وفروخت وغیرہ کے لئے قائم ہوتی تھین جن کو اسواق العرب کہا جاتا ہے ذی القعدہ سے لیکر محرم تک مکہ وطائف اور مدینہ کے درمیان ہی مین قائم ہوتی تھین۔

امام حسینؑ کی شخصیت دنیائے عرب میں کوئی اجنبیت نہ رکھتی تھی، اگرچہ مذہبی احساسات مردہ ہو گئے ہوں اور حسینؑ کو ان کے واقعی مراتب کے ساتھ لوگ نہ پہچانتے ہوں لیکن رسولؐ کا نواسا، سلطان حجاز و عراق کا فرزند، ملک عرب کا سب سے زیادہ سخی و جواد جس کے گھر سے کبھی کوئی سائل محروم نہیں پھرا، بنی ہاشم کا بزرگ خاندان، یہ عنوان وہ تھے جن سے کوئی بھی ناواقف نہ تھا اور کسی کو ان کے انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔

حسینؑ نے یہی زمانہ کہ جو تمام قبائل عرب کے اجتماع کا تھا مکہ میں اپنے قیام کے لئے تجویز کیا، ہم نہیں کہنا چاہتے کہ حسینؑ اپنے لئے کوئی بڑا لشکر جمع کرنا چاہتے تھے اور ان قبائل عرب کے ساتھ روابط بڑھا کر اپنی حیثیت کو مضبوط بنا کر یزیدی مقابلہ کا خیال رکھتے تھے، نہیں ہرگز نہیں، اگر وہ ایسا چاہتے تو کر سکتے تھے اور مضبوط تحریک ہونے کی صورت میں ممکن نہ تھا کہ اس میں کامیابی نہ ہوتی۔

یمن بالکل نزدیک تھا جس کا اسلام علی بن ابیطالبؑ کا رہین منت تھا

اور اسکی وجہ سے وہان کے رہنے والون کو علی بن ابیطالب اور اُن کے گھرانے

سے پوری ہمدردی حاصل تھی۔

طائف بھی کچھ اولادِ رسولؐ کا مخالف نہ تھا لیکن فرزندِ رسولؐ کو عالمگیری

اور جہانبانی کا شوق تھا، وہ اپنے تہین ایک عظیم الشان بادشاہ تسلیم

کرانے کی ہوس نہ رکھتے تھے، مگر حسینؑ کا قیام مکہ معظمہ مین صرف اس لیے تھا

کہ جمہورِ عرب کے اندر صورتِ حالات کی طرف ایک توجہ پیدا ہو جائے اور یزید

کے افعال و اعمال کا چرچا ہو نیلگے۔

حسینؑ کے قتل کیلیئے حجاج کے لباس مین شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے

ہون یا حضرت کے پابزنجیر کرکے لیئے جانے کا سامان کیا گیا ہو بہر حال معلوم

اسباب و علل کے ماتحت امام کا بیت الحرام سے رخصت ہونا اور زمانۂ حج کے

گذرنے کا انتظار بھی نہ کرنا اس کو امام کے تبلیغی مقصد مین پورا دخل ہے۔

ایکی ایکا خلاف توقع حسینؑ کا حج کو ترک کر دینا اور تمام اہل و عیال

کیساتھ مکہ معظمہ سے نکل کھڑا ہونا ایسی حالت مین کہ حج کا زمانہ بہت کم

باقی تھا اس نے تمام قبائل عرب کے نمایندون مین ایک لہر دوڑا دی اور اگر کوئی تاریخ اس موقع کی قلم بند کی گئی ہوتی تو اس مین ضرور نظر آتا کہ اس موقع پر کن خیالات کا اظہار کیا جاتا تھا۔

حسینؑ بن علیؑ کہان چلے گئے؟ حج بھی نہ کیا؟! ان تمام اہل و عیال واقربا کیسا تھ اپنے نانا کی قبر کے جوار کو کیون چھوڑ دیا؟ (یزید کے خوف سے) کیون؟ یزید کیا چاہتا ہے؟ (حسینؑ سے بیعت کا طالب ہے) لاحول ولا قوۃ بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے؟ فرزند رسولؐ اور یزید ایسے شرابخوار اور زناکار فاسق و فاجر کی بیعت کرے! اچھا پھر مکہ معظمہ مین کیون قیام نہ کیا؟ کس لئے حج کو بھی ترک کر دیا؟ (جان کا خطرہ تھا شاید مکہ مین حسینؑ کے قتل کرنے کیلئے شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے تھے) توبہ توبہ! اس سے بڑھکر سفاکی و ظلم کیا ہوگا کہ فرزند رسولؐ کو حرم مین بھی چین نہ لینے دیا جائے"!

یہ تذکرے وہ ہون گے جو مکہ معظمہ اور اس کے اطراف و جوانب مین اکثر

باخبر حلقون مین بہت اہمیت کیساتھ جاری تھے۔

وہ زمانہ کہ جب طرق مراسلت و مخابرت مسدود تھے تار ٹیلیفون وغیرہ
خبر رسانی کے ذرائع نایاب اس سے بڑھکر کوئی طریقہ واقعات کی اشاعت
کا نہین ہو سکتا تھا۔ مکہ سے روزانہ لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔ جو شخص تازہ
اپنے شہر مین آیا اُس کو بھی تازہ واقعات کے ضمن مین حسینؑ کے نقل و حرکت اور
اُسکے اسباب و علل کا بیان کرنا ضروری تھا! اس کا نتیجہ یہ نہین تھا کہ امام
کیلئے کوئی بڑا لشکر جمع ہو جائے لیکن مطلب صرف اتنا تھا کہ پہلے سے
ان حالات کی اشاعت ہو جانے کے سبب حسینؑ کی شہادت عام طور سے
نامعلوم اسباب و علل کا نتیجہ قرار نہ پائے تاکہ اہل شام کو اپنے دل سے اُس کیلئے
مخصوص وجوہ تراشنے کا موقع ملجائے اور حسینؑ کی مظلومیت و حقانیت
مخفی ہو جائے یقیناً اگر امام کی طرف سے ان طرق نشر و اشاعت کو عمل مین
نہ لایا جاتا تو یزید کی طرف سے امام کی شہادت کو طرح طرح کے لباس پہنائے
جاتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حسینؑ کا خون رائگان چلا جاتا باین معنی کہ آپ

اپنی جان بھی ہاتھ سے کھوتے اور کوئی ہمدردی بھی افراد بشر کے قلوب
مین چھوڑ کر نہ جاتے اور نہ وہ مقصود جو آپکا تھا حاصل ہوتا مگر خدا کی قدرت
دیکھیے کہ امام شہید ہوئے اور تمام دنیا نے اسبات کو تسلیم کر لیا کہ وہ ناحق قتل
کئے گئے، شام کا حاکم اور اسکے دشمن انسانیت وزرا اور ساختی کسی تہمت
تراشنے کا موقع بھی نہ پاسکے! اسے خداوند عالم کی قوت قاہرہ کے بعد حسینؑ
کے تدبر سے تعلق ہے اور وہ اسباب وعلل شہادت کے نشر واشاعت کا نتیجہ تھا۔
حسینؑ نے اپنی نقل وحرکت کے وجوہ کو زندگی ہی سے عالم اسلام مین
شایع کر کے دشمنون کی زبانین بند کر دین اور اپنی مظلومی کے سامنے
دنیا کے سر تسلیم کو خم کرا لیا اور اس سے بڑھکر حقانیت کی تبلیغ کیا ہو سکتی ہے؟

حسینؑ کا قافلہ خاموش مبلغ تھا

حج کا زمانہ تھا عراق،
یمن، طائف وغیرہ سب طرف سے قبائل مکہ مین آئے ہوے تھے، ادہر امام حسینؑ
اپنے اہل اقربا انصار اصحاب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ خیمہ وخرگاہ
تمام اسباب ساتھ لئے ایک بڑے قافلہ کی صورت مین مکہ سے جا رہے تھے،

عالم مسافرت میں زندگی گذارنے والے واقف ہیں کہ راستہ میں چار پانچ آدمیوں کا بھی قافلہ نظر آئے تو کھوج ہوتی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں کہاں سے آئے ہیں؟ پھر کہاں امام حسینؑ کا شاندار قافلہ اور صحاب و اعوان کا مختصر لشکر۔ اس پر طرہ یہ کہ حج کو دو دن باقی ہے مکہ معظمہ کی طرف سے آرہا ہو جبکہ دنیا مکہ معظمہ کی طرف حج کے لئے متوجہ ہے۔ ایہ جیہ یقیناً جاذب نظر اور جاذب توجہ تھے اور ایک اجنبی شخص کو یہ پوچھنا ضروری تھا کہ یہ کس کا لشکر ہے؟ کہاں جارہا ہے؟ اور حسینؑ کا نام معلوم ہونے پر وہی سوالات جو ہم نے اس کے قبل درج کئے ہیں۔ چنانچہ تاریخیں شاہد ہیں۔

فرزدق سے ملاقات امام سے یونہی اتفاقی طور پر ہوئی تھی اور عبداللہ بن مطیع و عمر بن عبدالرحمٰن مخزومی بھی راستہ میں خلاف توقع امام سے دوچار ہو گئے اور پھر جو گفتگو ہوئی وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔

اسکے معنی یہ ہوئے کہ حسین بن علیؑ اور ہاشمی جوانوں کا شاندار قافلہ جو خانۂ خدا کو مجبوری چھوڑ کر جنگلوں میں راہ پیما تھا خود ایک خاموش مبلغ اور

داعی حق تھا جو دور دور کے لوگوں کو تحقیق حالات اور کشف حقائق پر مجبور کر دیتا تھا۔

کربلا کی سرزمین پر تبلیغ

راستہ کے تمام اہم واقعات کو چھوڑتے ہوئے امام کی اس عظیم الشان تبلیغ کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جو کربلا کی سرزمین پر حسینؑ سے ظاہر ہوئی، وہ وقت کہ جب ان کے پہلے سے دشمنوں نے چاروں طرف سے امام پر راستہ بند کر دیا تھا اور تیس ہزار کے لشکر نے دین و مذہب بلکہ انسانیت و غیرت کو خیر باد کہکر فرزند رسولؐ کے قتل پر کمر باندھ لی تھی ان کا گمراہی سے باز آنا ناممکن تھا اور حسینؑ اس بات سے واقف تھے لیکن ایک مبلغ مذہب اور داعی حق کا فریضہ ہے کہ وہ حق کی آواز کو بلند کرے اور تبلیغ و دعوت میں کوتاہی نہ کرے اور اس فرض کو امام نے خوب ادا کیا۔

ایک شب کی مہلت نماز کیلئے اور مفاد اسلام کی بے نظیر تبلیغ

۹ محرم کو اسوقت کہ جب خونخوار لشکر کی یورش تھی اور حسینؑ اور انکی مختصر

جماعت کے قتل کیلئے حملہ کردیا گیا تھا حسین ؑ نے اپنے بھائی کو بھیجکر ایک
شب کی مہلت مانگی کیوں؟ کیا اس لئے کہ حسین ؑ اپنے اہل حرم سے
رخصت ہولیں، اپنے عزیزوں کو دل بھر کر ایک رات اور دیکھ لیں یا
ایک شب میں کوئی سامان جنگ کر لیں؟ نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ
آج کی رات بھر خدا کی عبادت کرلیں چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا، شب
اس طرح گذاری کہ لھم دوی کدوی النحل" اس جماعت کی آوازیں
ذکر الٰہی اور تسبیح کیساتھ اس طرح گونج رہی تھیں جیسے شہد کی مکھی کے
چھتے سے آواز آتی ہے"

اس طرح اُنھوں نے دکھلا دیا کہ سخت ترین مواقع پر کس طرح اصول
مذہب کا خیال رکھا جاتا ہے اور یہ کہ مذہبی جذبہ عالم کے ہر جذبہ سے زیادہ
پرطاقت ہے۔

دسویں عاشورہ کے دن نماز ظہر گزشتہ موقع سے سخت اور زیادہ
کٹھن وہ موقع تھا جب لڑائی شروع ہو چکی تھی حسینی مختصر لشکر کے بہت سے

جوان قتل ہو چکے تھے اور کمزوری محسوس ہونے لگی تھی تیروں کی بارش تھی

اور کمانوں کے کڑکنے کی گرج لیکن اس حالت میں بھی نماز ظہر بجماعت ادا

کی گئی اور ایسی نماز کہ جس کی نظیر عالم کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی ۔

امام رو بقبلہ اور مجاہدین کی صفیں پیچھے اور دو بہادر جوان امام کے آگے

سینہ سپر بنے ہوئے کہ جو تیر آئے وہ اپنے اوپر روکیں جس کا نتیجہ یہ تھا کہ نماز ختم

ہوتے ہوتے ان دونوں بہادروں میں سے ایک سعید بن عبداللہ حنفی زمین پر

گر کر تڑپنے لگتے ہیں اور دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں ۔

یہ تھے حقانیت کے مظاہرات اور صداقت کے نمونے جو اگرچہ اپنے وقت وقوع

میں خاموشی کے ساتھ عمل میں آئے لیکن انھوں نے دنیا کو دعوت حق کی

پر زور آواز سے مملو کر دیا اور افراد اسلام کے اسلامی احساسات کو جھنجھوڑ کر بیدار

کر دیا اور دوسری طرف یزید اور ہواخواہان یزید کے ظالمانہ افعال اور اسلام کش

حرکات کا پردہ چاک کیا ۔

تبلیغ حق کے دیگر مظاہرات | عاشورے کی صبح سے لیکر عصر تک کے

واقعات اگر ہم لکھنا چاہیں تو یہ مضمون کافی نہیں ہو سکتا تاریخ شاہد ہے کہ

حسینی فوج کا ہر جوان ایک مبلغ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بریر ہمدانی کا مباہلہ

حبیب بن مظاہر کا مکالمہ زہیر بن قین کا خطبہ اور تمام انصار و اقربا کے

وہ جز جن میں سے ہر ایک حسینی شہادت کے اسباب و علل بیان کرنے میں ایک

مبلغ کا حکم رکھتا تھا۔ اس کا اثر ظاہر ہوا یا نہ ہو لیکن ایک مبلغ کی کامیابی

یہ نہیں ہے کہ اس کی آواز پر لبیک کہنے والے زیادہ تعداد میں پیدا ہو جائیں

بلکہ اسکی کامیابی یہ ہے کہ وہ سخت اور کٹھن موقعوں پر اور دشوار گذار منازل میں

اپنے فریضہ کو ادا کر دے اور جو دعوت اظہار کا حق ہے اس کو پورا کر سکے۔

حسینی فوج کے تمام جوان داد شجاعت دیکر رخصت ہو چکے، ہاشمی خاندان کے

شیر بھی اپنے بزرگ کی حمایت میں کام آگئے صرف مظلوم حسین باقی ہیں

اور دشمنوں کا حلقہ ہے دل پر مصائب کا ہجوم اور آنکھوں میں دنیا تاریک ہے

مگر وہ مبلغ الٰہی، ربانی داعی مذہب اپنے فریضہ سے ایک سکنڈ کیلئے غافل

نہیں ہے، وہ خطبے پڑھتا ہے، تقریریں کرتا ہے اصحابِ رسول کو گواہ بناکر

اپنی حقیقت کا ثبوت دیتا ہے۔ کیا اس اُمید پر کہ یزیدی لشکر حسینؑ کی حالت پر رحم کھائیگا یا وہ درہم و دینار کی جلوہ آرائی اور دیبا و حریر و شرفیوں کی جھنکار اور حکومت و سلطنت کی طمع و حرص سے آزاد ہو کر حق کے راستہ پر آجائیگا؟ لا واللہ! حسینؑ بھولے اور ناعاقبت اندیش نہ تھے، وہ خوب جانتے تھے مگر بنی نوع بشر کو حالات سے واقف اور باخبر بنانا چاہتے تھے، اُنھوں نے کوئی دقیقہ اظہارِ حق مین اُٹھا نہین رکھا اور آخری نفس تک اپنے فرض کو ادا کر گئے۔

اُسوقت بھی کہ جب شمر کا خنجر بوسہ گاہ مصطفےٰ کے قریب آچکا تھا اور امامت کا چراغ گُل ہو رہا تھا حسینؑ نے اپنے قاتل کے سامنے تبلیغ کی اور اپنے نانا کی صداقت و حقانیت کو ثابت کر دکھایا "اے شمر ذرا اپنے چہرہ سے نقاب اُٹھا" شمر نے نقاب ہٹائی حضرتؑ نے فرمایا صدق واللہ جدّی "میرے نانا رسولؐ نے سچ کہا تھا کہ اے حسینؑ تیرا قاتل ایک مبروص (کوڑھی) شخص ہوگا"۔

روحی لک الفداء! اے حسین بن علی آپ نے مرتے دم تک اپنے فریضہ سے ہاتھ نہیں اٹھایا، آپ نے اپنے نانا کے قول کی تصدیق زیر خنجر بھی ثابت کر دی۔ آپ کے خون کا ہر قطرہ جو کربلا کی زمین پہ گر رہا تھا آپکی مظلومیت کا مرثیہ خوان اور ملت اسلامیہ کا واحد مبلغ تھا۔

واقعہ کربلا کے بعض روشن پہلو

ایثار و مواسات مشترکہ ضرورت کے وقت دوسرے کو اپنے نفس پر مقدم کرنا ایثار ہے اور سخت موقع پر دوسرے کو مبتلا پا کر خود شریک مصیبت اور ہمدرد ہو جانے کا نام مواسات ہے۔

ان دونوں صفتوں کا بہتر اور مکمل ترین نمونہ زمین کربلا کے مجاہدین نے پیش کیا، ان میں کے ہر فرد نے امام کے نفس کی حفاظت کو اپنے نفس و بدن پر اس طرح مقدم سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنے تئیں جیتے جی معدوم سمجھ لیے تھے۔ سید الشہداء مصلے پہ نماز ظہر ادا کر رہے ہیں اور دشمنوں کے تیروں کی

پوچھا ہے کہ سعید بن عبداللہ اور زہیر بن قین امام کے سامنے سپر بنے ہوئے کھڑے ہیں اور ابھی نماز صبح ختم نہیں ہوتی کہ سعید زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر جاتے ہیں ۔

اور خود امام نے مفاد ملی کی حفاظت کو اپنے نفس بلکہ نفس سے عزیز تر اولاد و اقربا اور ان سے بھی بالاتر عزت و ناموس پر اس طرح مقدم کیا کہ خود دنیا کی ہر چیز سے ہاتھ دھو لیا اور اپنے کو عالم بھر کے مصائب و آلام کا نشانہ بننا گوارا کیا لیکن دین اسلام کو قائم کر گئے ۔

اور مواسات کا یہ عالم کہ کوئی مصیبت انصار و صحابہ پر نہیں پڑی جس میں امام نے ان کا ساتھ نہ دیا ہو انصار و اعزا کی شہادت کے عنوان مختلف تھے لیکن جب امام مظلوم کی شہادت پر ایک نظر کی جاتی ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک عنوان کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ ایک بیکس کے قتل کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں وہ اس ایک ذات میں جمع ہو گئی تھیں ۔

حسین اُس دن صرف اپنی جان نہیں دے رہے تھے بلکہ دنیا کو ایثار
ومواسات کا نہ بھولنے کے قابل سبق دے رہے تھے اور بے نظیر مثال
قائم کر رہے تھے۔

ثبات قدم و استقلال

سخت اور دشوار گذار مصائب کے باوجود
قدم میں لغزش نہ ہونا ثبات و استقلال ہے اور اس امتحان میں کربلا کے
مجاہدین کا نمبر سب سے اول ہے، اُن کے سخت اور دشوار گذار مصائب کی نوعیت
عالم سے جداگانہ تھی، سر و گردن کے باہمی ارتباط کا ایک مرتبہ دم شمشیر
سے قطع ہو جانا ایک جانباز سپاہی کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا
لیکن تین دن کی بے آبی اور زخموں کی کثرت کے سبب کلیجہ کے اندر
آگ کا بھڑکنا ہر لحظہ احتضار و نزع روح کی تکلیف برداشت کرنے سے کم نہ تھا مگر
کمسن بچوں کو ماہی بے آب کی طرح تڑپتے دیکھنا اپنے ہاتھ سے اپنی زندگی
کے عزیز ترین سرمایہ اولاد کو کھنچی ہوئی تلواروں اور برستے ہوئے تیروں
میں بھیجنا ہی نہیں بلکہ اپنے ہاتھ پر جگر کے ٹکڑے کو نشانہ تیر بنوا دینا

ہر انسان کا کام نہین۔ اُنکے استقلال و ثبات قدم کی نظیر تاریخ پیش

کرنے سے قاصر ہی اور اُنھون نے اسکے ذریعہ جو حیرت انگیز کامیابی حاصل

کی اُسکی مثال بھی ملنا ناممکن ہی۔ وہ فنا نہین ہوے بلکہ ہمیشہ کیلئے

خود زندہ ہوے اور ہزارون کو زندہ کر گئے یہ دور فلک مین جبتک اسلام

کا دور ہی اُنکی یاد سچے مسلمانون کے دل مین ہمیشہ تازہ رہیگی اور

سرشک غم کے سبحۂ صد دانہ پر اُن کے نام کا ورد ہوتا رہیگا۔

عزت نفس اور موت کا موازنہ

مجاہد کربلا کا نعرۂ شیرانہ

الموت اولیٰ من رکوب العار

زندگی عزیز شے ہی اور فطرت انسانی مین حیات دنیا کی محبت

ودیعت کر دی گئی ہی، انسان اسی کی خاطر سخت ترین دنیا کے مشکلات کو

برداشت کرتا اور سرد و گرم عالم کا تحمل کرتا ہی۔ اُس کی طبیعت اگر

افراط بخل وغیرہ کے سبب حد اعتدال سے خارج نہیں ہوگئی ہے تو وہ اپنی جان
کی حفاظت میں مالی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتا اور تمام ممکن ذرائع
جن سے اُسکی ہستی کا بقا ممکن ہے اُن کو صرف کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اسلام
نے بھی اس فطری رجحان کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں پائی بلکہ لا تلقوا
بایدیکم الی التہلکۃ کے حکیمانہ حکم سے حفاظت نفس اور زندگی کی
نگہداشت کو فریضہ لازمہ قرار دیا لیکن فلک اعظم کے دور اور لیل و نہار
کی آمد و رفت میں ایسے نازک مواقع پیش آجایا کرتے ہیں جب جذبات
نفسانیہ میں تلاطم اور طبعی و عقلی رجحانات میں تصادم ہوتا ہے، زندگی
اپنی تمام دلفریبیوں کے باوجود اتنی مہیب صورت میں نظر آتی ہے کہ انسان
بے اختیار اُس سے آنکھ بند کر لینا پسند کرتا ہے اور وہ اُس محبوب زندگی
سے جس پر وہ ہر شے کو قربان کرتا تھا ہاتھ دھونے میں لذت محسوس کرتا ہے
یہ صورت کبھی غیر عقلی، شہوانی، جاہلانہ، ناعاقبت اندیشانہ رجحانات
سے پیدا ہوتی ہے اور اس موقع پر جان دینے سے عقل بڑھکر مرحبا کہتی اور نہ

شرع شاباش کی آواز دیتی ہی لیکن جسوقت موت سے بدتر زندگی یا زندگی سے بہتر موت مین معاملہ پڑ گیا ہو جسوقت حیات دنیا اہم ترین مقاصد کے پامال ہونیکا پیش خیمہ ہو اور جسوقت عزت نفس اور فنائے ظاہری کا سوال درپیش ہو جبکہ میزان عقل نے صورت حال کے مختلف پہلوون پر غور کرکے موت کو حیات پر ترجیح دیدی ہو تو اسوقت موت کے موتھ مین جا پڑنیوالے دائمی حیات کے مالک ہوجاتے ہین عزت دار ہستیان ہمیشہ عزت کا صدقہ جان کو سمجھتی ہین حسین بن علی نے کربلا مین جو راستہ اپنے لئے مقرر کرلیا تھا وہ اسی اصول پر مبنی تھا، اُن کی زبان سے نکلی ہوئی لفظین اگرچہ وسیع صحرائے کربلا مین گونج کر فنا ہوگئین لیکن اُن کا پائدار مفہوم اب بھی غیرت دار اقوام کے صحیفہ حیات کا سرنامہ اور اُن کے دیباچۂ زندگی کا عنوان اول ہی (الموت اولی من رکوب العار) ننگ و عار کے برداشت کرنے سے موت کا آنا بہتر ہے" اُنکی یہ مختصر لفظین علو ہمت کی منادی اور عزت نفس کی

ترجمان ہیں اور انہی کو حسینؑ نے عملی صورت سے دنیا کو دکھلا دیا۔

اصول کی حمایت اور قربانی

حسینؑ کی قربانی دنیا سے نرالی تھی

اس قربانی کے انتظامات عجیب و غریب تھے

کربلا کے مجاہد حسین ابن علیؑ کا اصول حق کی حمایت، شریعت اسلامیہ کی نگہداشت اور جابر و ظالم طاقت کے مقابلہ میں روحانی و مذہبی خودداری کی حفاظت تھی، انھوں نے اپنے آخری نفس تک اس اصول کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا، وہ اگر پہلی ہی مرتبہ اپنی جان کی قربانی پیش کر دیتے تو بہت ممکن تھا، اس قسم کی قربانیاں کم سہی لیکن ہستیاں نہیں ہیں سقراط نے بھی اپنے ہاتھ سے زہر کے جام کو اٹھا کر پی لیا تھا اور اپنی جان کو مقصد پر قربان کر دیا تھا لیکن حسینؑ

بن علیؑ کا مقصد بہت اہم تھا، وہ اپنی قربانی کی نوعیت ہی عالم سے جداگانہ قرار دینا چاہتے تھے، اُن کا مقصد یہ تھا کہ اپنی طرف نسبت رکھنے والی ہر عزیز شے کو خود اپنے ہاتھ سے قربان کریں اور جب اپنے نفس کے سوا کچھ باقی نہ رہ جائے تو اس متاع گرانمایہ کو قربانی کے میدان میں پیش کردیں، انھوں نے سب سے پہلے اپنے راحت و آرام، وطن کی اطمینانی زندگی کو قربان کیا جس کے سلسلہ میں اُن کو ہر طرح کی تکلیف برداشت کرنا پڑی۔

روز عاشور کی قربانیوں کے سلسلہ میں اپنے محبوب ترین اصحاب و انصار، ساتھ کے کھیلے ہوئے احباب کو قربان کیا، عزیزوں کی باری آئی اور ایک ایک کر کے ان سب کو میدان قربانی میں بھیجا، اپنے دا ہنے بازو وفادار بھائی قمر بنی ہاشم کو قربان کیا، اپنے پیارے بھتیجے اور داماد قاسم بن الحسن کو قربان کیا، اپنے دل کی قوت آنکھوں کی روشنی اور پیری کے سہارے علی اکبر کو قربان کیا۔

باغ اُمید کی آخری کونپل، اور غنچہ ناشگفتہ علی اصغرؑ کو خود اپنے ہاتھوں پر لاکر قربان کیا، ابھی تک دل کے ٹکڑوں کی قربانی ہو رہی تھی اب اعضائے بدن تک نوبت پہونچی، اُن کو ایک ایک کر کے قربان کیا۔ گوشت و پوست، سینۂ و دست، دل و جگر، چہرہ و جبین بلکہ سطح جسم کا چپہ چپہ اور اجزائے بدن کا ہر ذرہ قربان کیا نوبت یہ پہونچی کہ تیروں کو جگہ نہ ملتی اور دشمنوں کی تلواروں، نیزوں کو جستجو کے بعد بھی خالی مکان نظر نہ آتا تھا، جب جسم کا ہر حصہ اور دل کا ہر ٹکڑا قربان ہو چکا۔ اصحابؓ و انصار اہل بیت میں سے تو پہلے ہی کوئی باقی نہیں رہا تھا اعضائے جسم کی قربانی کا بھی امکان نہ رہا، ایک ایک نیزہ پر سیکڑوں نیزے اور ایک ایک تلوار پر سیکڑوں تلواریں پڑ چکیں اور تیر بھی اپنا پورا حوصلہ نکال چکے، اب حسینؑ کیلئے کوئی چارہ کار نہ تھا، کوئی قربانی کے قابل شے باقی نہیں رہی تھی۔ صرف ایک رشتہ حیات تھا جو روح و بدن کے اندر لیٹے ہی کشمکش جاں کنی

باوجود قائم تھا اور ایک سر و گردن کا ارتباط تھا جس میں اب تک جدائی نہو ئی تھی۔

اس باہمت مظلوم کیلئے گذشتہ تمام قربانی کے مرحلوں کو طے کرنے کے بعد اس ایک قربانی کا مرحلہ بالکل آسان تھا بلکہ اس میں خاص لذت محسوس ہو رہی تھی عصر کے ہوتے ہوتے حسینؑ اس قربانی میں بھی کامیاب ہو گئے اور خنجر شمر سے کچھ دیر راز و نیاز کے بعد ایک طرف نفس کی آمد و شد کا سلسلہ اور نفس و بدن کا ظاہری حلقۂ اتصال قطع ہوا اور دوسری طرف سر و گردن کے ارتباط میں جدائی پیدا ہوئی۔
آسمان لاکھوں برس گردش کرے زمانہ کے ورق گوناگون خصوصیتوں کیساتھ سامنے آئیں اور الٹ جائیں لیکن اتنی شاندار مکمل منظم اور مرتب قربانی کی مثال پیدا نہیں ہو سکتی۔

حسینؑ کی شہادت کے بعد

فاطمہ زہرا کا چاند غروب ہو چکا ہی اور دشمن اپنے مقصد میں ظاہری صورتوں سے کامیاب ہو چکے ہیں، اب کوفہ و شام کے بازار ہیں اور بنی ہاشم کے گھرانے کی معزز خواتین اور نیزوں پر کربلا میں شہید ہونے والے مظلوموں کے سر نصب ہیں سطحی نظر سے دیکھنے والے اس منظر کو اہلبیت رسولؐ کیلئے سخت توہین و ذلت کا باعث سمجھ رہے ہوں گے لیکن واقعہ یہ ہی کہ اسوقت حسینؑ کی تبلیغ منتہائے شباب پہ پہونچ گئی ہی اور دعوت حق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا ہی۔ اگر چشم حقیقت بین سے نظر کرو تو نیزہ پر سر حسینؑ جس کی پیشانی پر سجدۂ معبود کا نشان پڑا ہوا ہی (سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود) چہرہ سے نور ساطع ہی۔ ہونٹ تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہیں (ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من ایاتنا عجبا)۔

دوسری طرف مخدرات عصمت جہاں نامحرموں کے مجمع میں چادر و مقنعہ سے محروم

ہونیکے بعد غیرت وحیا کا مجسمہ اخلاق محمدیہ کی تصویر جاہ وجلال کی چادرون مین

پنہان، طہارت وعفت کے اندر ملبوس اور اُن کے وہ حقائق ودقائق سے

مملو خطبے کا نہا تفرغ عن لسان ابیہا (زینبؑ گویا علی بن ابیطالبؑ

کی زبان کبیسا کلام کر رہی تھین)

یہ چیزین وہ ہین جنھون نے صداقت کے پیکر مین روح پھونکدی، دنیا کی

آنکھون کے سامنے سے جہالت وضلالت کے پردون کو چاک کرکے پھینکدیا،

عالم کو شرق سے لیکر غرب تک حسین بن علیؑ کا مرثیہ خوان اور یزید کے افعال

واقوال سے بیزار ومتنفر کردیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آج عالم کے گوشہ گوشہ اور

دنیا کے ہر حصہ مین حسینؑ کا نام ہے اور حجاز کا حقیقی بادشاہ کرورون افراد کے

دلون پر قیامت تک کے لئے حکومت کر رہا ہے اور بنی امیہ کے جبروت و

عزت کا چراغ ہمیشہ کیلئے اس طرح گل ہوا کہ کوئی نام لینے والا بھی نہین ہے عالم نے

دیکھ لیا کہ کون ظالم تھا اور کون مظلوم؟ ظلم کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور مظلومیت

کی شان کیا ہے؟

علی نقی النقوی عفی عنہ (لکھنؤ)

ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

مژدۂ تازہ

یہی رسالہ جو آپ کے ہاتھ میں ہے تبلیغی مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے۔ غیر اقوام کے لیئے انگریزی اور ہندی زبانوں میں بھی بہترین اہلِ قلم سے ترجمہ کرا کر شائع کیا گیا ہے، لہذا غیر اقوام میں تقسیم کے لیئے اُن کی بھی کثیر سے کثیر تعداد میں کاپیاں منگوا کر مفت تقسیم کیجیئے اُن رسالوں میں سے ہر ایک کی قیمت دو ۲ آنہ ہے

اور خرچہ ڈاک ۰/

ملنے کا پتہ

سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد

لکھنؤ۔

امامیہ مشن لکھنؤ کے تبلیغی کارنامے

	قیمت	خرچہ ڈاک
(۱) قاتلان حسینؑ کا مذہب (تیسرا اڈیشن)	۳/	۱/
(۲) تحریف قرآن کی حقیقت (دوسرا اڈیشن)	۶/	۱/
(۳) مولود کعبہ	۱/	۲/
(۴) وجودِ حجتؑ	۴/	۱/
(۵) اصول دین اور قرآن	۴/	۱/
(۶) اتحاد الفریقین	۳/	۱/
(۷) حسینؑ اور اسلام	۲/	۲/
(۸) " " (انگریزی)	۳/	۲/
(۹) " " (ہندی)	۳/	۲/

ملنے کا پتہ

سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ

حجج و بینات

اپنی نوعیت کی پہلی کتاب جو عالم اسلام میں ظاہر ہوئی ہے سیالگدشتہ
جو عراق میں مشاہد مشرفہ ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم سے جو حیرت انگیز مظاہر قدرت
یعنی معجزات ظاہر ہوئے ان کے مستند تفصیلی واقعات ذاتی تحقیقات اور
معتمد ذرائع سے تصدیق شدہ معلومات حاصل کر کے ایک جا شایع کر دیے
گئے ہیں جو ارباب ایمان کے لیے بصیرت افروز اور تمام مذاہب و اقوام کے
مقابل میں صداقت و حقانیت کی دلیل ہیں۔ یہ کتاب بھی حضرت سید العلماء
مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر دام ظلہ کا نتیجہ قلم اور انہی کی ذاتی
تحقیقات اور کاوش کا نتیجہ ہے جو کتاب کی ادبی منزلت اور استناد و اعتبار
کی حیثیت کیلیے بہترین ضمانت ہے ۲۰×۲۶ کی تقطیع پر اعلیٰ کاغذ و طباعت
کے ساتھ چھپا ہے اور اس میں متعدد شفا یافتہ افراد کے فوٹو بھی شامل ہیں
جو کتاب کی دیدہ زیبی اور نیز اسکے اعتبار و استناد میں اضافہ کا باعث ہوئے
ہیں قیمت علاوہ محصولڈاک (عہ/)

ملنے کا پتہ

سید ابن حسین آزری سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ